شرعی ھدایات

تجارت میں رکاوٹ یا باعث ترقی



SCS کے دوسرے ماہانہ فکری سیمینار میں
حضرت مفتی محمد صاحب دامت برکاتہم کا خطاب

بتاریخ: 6 جولائی 2011



دارالافتاء صدر کراچی برائے مالیاتی وتجارتی امور
زیر انتظام: جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی
بتعاون کراچی الیکٹرونکس ڈیلرز ایسوسی ایشن (KEDA)
اسٹار سٹی مال، آفس نمبر 1110، 1111، 11th فلور، ایم اے جناح روڈ صدر کراچی
فون: 021-32230404 فیکس: 021-32230405 موبائل: 0321-5405313
ای میل: ask@scsguide.com ویب سائٹ: www.scsguide.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

افتتاحیہ

SCS کے ماہانہ فکری سیمینارز موضوع کی انفرادیت اور پر مغز گفتگو کی وجہ سے دھیرے دھیرے مقبولیت حاصل کررہے ہیں۔الحمداللہ ان سیمینارز میں مفتی عدنان کاکاخیل، مفتی ارشاد اعجاز (شریعہ ایڈوائزر بنک اسلامی)، مفتی محمد صاحب (رئیس دارالافتاء جامعۃ الرشید) اور مفتی سفیر احمد (شاگرد خاص مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم) جیسی معروف شخصیات علمی جواہر بکھیر چکے ہیں۔

مضامین کی افادیت کے پیش نظر SCS کی کوشش ہے کہ یہ خطابات زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچ سکیں۔اس کے لیے خطابات کی ریکارڈنگ holypearls.com / darseQuran.com پر بھی لگائی جارہی ہے۔نیز email اور social ویب سائٹس کے ذریعہ بھی ان کو پھیلایا جاتا ہے۔زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے۔گفتگو مفتی محمد صاحب (رئیس دارالافتاء صدر) کی ہے اور عنوان: ”شرعی ہدایات کاروبار میں رکاوٹ یا باعث ترقی“ ہے۔

یاد رہے کہ خطاب اور تحریر میں کافی فرق ہوتا ہے۔ہم نے کوشش کی ہے کہ پروف ریڈنگ کی وجہ سے انداز خطاب متأثر نہ ہو۔امید ہے جس دردل سے مفتی صاحب نے گفتگو سامنے رکھی ہے وہ بڑی حد تک بین السطور میں محسوس کی جاسکے گی۔اللہ تعالیٰ معیشت کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کے لیے ہم سب کی ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو قبول فرمائیں اور مزید کی توفیق دیں۔آمین

فیصل احمد

مغرب کا نظریہ

آج کا موضوع جو آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے اس پر کئی بیانات کیے جا سکتے ہیں۔ اس کی جزئیات اور تفصیلات پر کئی نشستیں ہو سکتی ہیں۔ میں آپ کے سامنے آج کی اس نشست میں مقدمے کے طور پر چند باتیں عرض کروں گا۔

مغرب کا یہ نظریہ ہے کہ مذہب ایک الگ چیز ہے اور تجارت و معیشت ایک الگ چیز ہے۔ سیاست و حکومت سے، معیشت و تجارت سے، معاشرت سے، دین کا کوئی تعلق نہیں۔ دین نام ہے شادی بیاہ اور کسی کی وفات پر چند رسومات کے ادا کرنے کا۔ اس سے زیادہ اس کو حق دینا ایک غیر فطری چیز ہے، تکلیف دہ عمل ہے۔ آج کل کے مسلمان جو ایک عرصہ سے مغربی حکومتوں کے زیر اثر ہیں ان کا بھی یہ نظریہ بنتا جا رہا ہے کہ مذہب اور تجارت و معیشت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اگر ہم نے تجارت میں مذہب کو دخل دیا تو ہماری تجارت ٹھپ ہو کر رہ جائے گی، جگہ جگہ رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ مذہب ایک الگ چیز ہے اور تجارت و معیشت الگ چیزیں ہے، نفع کمانے کا کونسا طریقہ ٹھیک ہے، کون سا ٹھیک نہیں ہے؟ کون سی صورت جائز ہے اور کون سی صورت جائز نہیں ہے؟ اس چکر میں پڑیں گے تو تجارت نہیں چلے گی۔ عام طور پر ہمارے ایک مسلمان تاجر کا یہ ذہن پایا جاتا ہے، سوچنا یہ ہے کہ کیا یہ حقیقت ہے؟ واضح بات ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم سب کا یہ یقین ہے کہ یہ کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت سے اس کا دور کا کوبھی تعلق نہیں ہے۔

اسلام کا نظریہ

اسلام نے جو ہمیں ہدایات دی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ہماری آخرت بنانے کے لیے ہیں بلکہ ہماری دنیا بنانے کے لیے بھی ہیں۔ دنیا تو آخرت کے مقابلے میں سائے کی طرح ہے اگر اصل اپنے ہاتھ میں ہے تو سایہ خود بخود اس کے تابع ہو کر ہمارے ہاتھ میں، دسترس میں ہوگا، لیکن ہم سائے کے پیچھے بھاگیں گے تو پرندہ درخت کے اوپر سے اڑ کر جائے گا تو سایہ ساتھ ہی جائے گا آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر اس بات کو بہت زور دے کر بیان کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان اللہ کے احکام پر عمل کرے تو اللہ برکات کے دروازے کھول دیں گے۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ ۔ اگر بستیوں والے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، اللہ سے ڈر کر زندگی گزاریں، گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں تو ہم ان پر آسمان سے برکات کے دروازے کھول دیں گے۔ یہ نظریہ سراسر غلط ہے کہ ہم احکام اسلام پر عمل کریں گے تو ہمارے دنیاوی کاروبار نہیں چلیں گے یا ان میں رکاوٹ پیدا ہوگی اور ہمارے نفع میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔

اسواق المدینہ

رسول اکرم ﷺ نے خود تجارت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد باقاعدہ ایک بازار قائم کیا۔ پہلے کسی کو بھیجا کہ جاؤ اور جا کے بازار کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرو اور اس کی تعیین کر کے مجھے بتاؤ۔ جگہ متعیّن کی گئی۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو پسند نہیں فرمایا اور فرمایا کہ میں خود جاؤں گا اور خود اس جگہ کی تعیین کروں گا، چناچہ آپ خود تشریف لے گئے اور آپ نے بازار کی جگہ متعین فرمائی۔ رکاوٹ نہیں ڈالی جارہی بلکہ آپ ﷺ خود تجارت کررہے ہیں اور تجارت کے لیے بازار قائم کررہے ہیں "اسواق المدینہ" کے نام سے آج جو بازار قائم ہے، ممکنہ طور پر یہ وہی جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بازار قائم فرمایا تھا، مسجد نبوی کے بالکل متصل صحن ختم ہوتے ہی یہ بازار شروع ہوتا ہے۔

تجارت پیشہ صحابہ کرامؓ

اکثر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پیشہ تجارت تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صحابہ کرام میں سے انتہائی مشہور، نامور اور بڑے درجے کے تاجر شمار ہوتے تھے، جب غزوات ختم ہوجاتے تو اس کے بعد صحابہ کرام وہاں مالِ غنیمت کا بازار قائم کرتے اور سب ایک دوسرے سے اپنے مطلب کی چیزیں خریدتے اور فالتو فروخت کرتے، حج کے موسم میں اسلام سے پہلے دستور تھا کہ مختلف اوقات میں ذیقعدہ شروع ہونے کے بعد بازار قائم کیا جاتا تھا۔ ذیقعدہ ختم ہونے کے بعد ایک اور بازار قائم کیا جاتا تھا اور دس دن ذی الحجہ کے ختم ہونے کے بعد ایک اور بازار قائم کیا جاتا تھا کسی کا نام "سوق عکاظ" تھا کسی کا نام "ذی المجنّہ" تھا، کسی کا نام "ذوالمجاز" تھا۔ یہ بازار قائم کیے جاتے تھے، تو جب اسلام آیا، حج کا موسم قریب آیا تو صحابہ کرامؓ کو یہ شبہہ ہوا کہ جب یہ بازار جاہلیت کے زمانے میں لگا کرتے تھے تو اس میں طرح طرح کی چیزیں ہوتی تھیں، ڈھول ڈھمکے ہوتے تھے، گانا باجا ہوتا تھا، ہلڑ بازی ہوتی تھی، طرح طرح کے کھیل تماشے ہوتے تھے۔ تو کہیں ہمارا ان بازاروں میں کاروبار کرنا یہ گناہ کی بات نہ ہو، اللہ کو ناپسند نہ ہو، تو آیت نازل ہوئی "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ" تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم حج کے زمانے میں اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ یعنی تجارت کرو، کاروبار کرو، اسے اللہ کا فضل قرار دیا جارہا ہے۔ ایک غزوہ کے موقعے پر ایک صحابیؓ نے تجارت کی، اپنی ضرورت کی چیزیں خریدتے رہے، بیچتے رہے۔ خوش ہو کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے، آکر عرض کیا یارسول اللہ! آج کی تجارت میں جتنا مجھے نفع ہوا اتنا کسی اور کو نہیں ہوا۔ فرمایا کتنا نفع ہوا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں چیزیں خریدتا رہا، بیچتا رہا، شام تک مجھے تین سو اوقیہ نفع میں بچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ نفع کی چیز نہ بتاؤں؟" آپ نے بھانپ لیا تھا کہ دنیا کے نفع سے ذرا دل خوش ہو رہا ہے اور کچھ دنیا کی طرف توجہ ضرورت سے زیادہ ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رخ موڑا کہ ہمارا اصل مقصود تو آخرت کو بنانا ہے، اسی بنا پر فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے زیادہ نفع کی چیز نہ بتاؤں؟ عرض کیا: یارسول اللہ ضرور بتائیے!"

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہنا یہ تین سو اوقیہ نفع سے زیادہ بہتر ہے‘‘۔

اسلام میں تجارت کی حوصلہ افزائی

ان واقعات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام نے تجارت میں رکاوٹ نہیں ڈالی، اس سے منع نہیں کیا، بلکہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، اس کی ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ‘‘ یعنی جو تاجر اپنی تجارت میں سچائی کا اہتمام کرے گا، جو امانت اور دیانت کے ساتھ تجارت کرے گا ، وہ دنیا میں تو نفع اٹھائے گا ہی، اس کی آخرت کیسی بہترین ہوگی؟ اسے کتنا بلند درجہ دیا جائے گا؟ اس کا حشر انبیاءؑ کے ساتھ ہوگا ، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اس سے زیادہ حوصلہ افزائی اور کیا ہوسکتی ہے!!

تجارت میں شرعی پابندیاں کیوں......؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب اسلام تجارت سے روکتا نہیں ہے، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اسے فروغ دینے کی ترغیب دیتا ہے۔۔۔۔۔ تو پھر یہ علماء طرح طرح کی پابندیاں کیوں لگاتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں، ذرا سی وضاحت نہ ہوئی تو بیع فاسد ہوجائے گی۔ جمعہ کے دن اذان اوّل کے بعد بیع ممنوع ہوجائے گی۔ کسی چیز کو آگے بیچنے سے پہلے اس پر حسی قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ کہ فارن ایکسچینج اور انٹرنیٹ پر کوئی چیز خریدی جائے تو جب تک اسے خاص طریقے سے قبضے میں نہ لایا جائے، تو اس کی آگے فروخت جائز نہیں ہے۔۔۔ اس طرح کی پابندیاں آخر کیوں لگائی جاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی کچھ پابندیاں اسلام نے لگائی ہیں لیکن وہ پابندیاں تجارت میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ناسمجھ تاجر کو نقصان سے بچانے کے لیے ہیں، ان کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے ایک ناسمجھ بچہ خوبصورت انگارے کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو آپ اس کو بچاتے ہیں، اسی طریقے سے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے بسا اوقات آدمی ایسے اقدامات کر لیتا ہے جن کے نتیجے میں اس کی تجارت سے ساری برکت بھی اٹھ جاتی ہے، دنیا میں نقصان ہوتا ہے اور آخرت بھی تباہ ہوتی ہے۔ اس لیے پابندی لگائی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ‘‘ جب اللہ کے احکام کو کوئی آدمی نظر انداز کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذہن سے اس کے ذاتی نفع، نقصان کی تمیز مٹا دیتے ہیں۔ وہ اپنی ناسمجھی سے ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے ایسی چیز کا اقدام کر بیٹھتا ہے کہ نتیجۃً وہ اس کے لیے دنیاوی کاروبار کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ ’’یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ‘‘ جب آپ سو روپے پر دس روپے سود وصول کریں گے تو بظاہر دس روپے بڑھ کر یہ ایک سو دس روپے ہوجائیں گے لیکن ’’ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ‘‘ اللہ تعالیٰ سود کو گھٹا دیتے ہیں، اس میں کمی واقع

کر دیتے ہیں۔اور" یُربِی الصَّدَقَاتِ " اور صدقات میں اضافہ کرتے ہیں۔اگر کوئی آدمی100 روپے میں سے 10 روپے صدقہ کرتا ہے تو بظاہر90 روپے بچ جاتے ہیں، یہ کمی ہو رہی ہے۔۔۔لیکن اللہ کا کلام یہ کہہ رہا ہے کہ" سود سے مال گھٹتا ہے اور صدقے سے بڑھتا ہے" تو یقینی بات ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔اور وہ اس طریقے سے ہوتا ہے کہ جب آپ سود کے ذریعے سے بہت ساری چیزیں اکٹھی کرلیں گے، بڑا سرمایہ جمع کرلیں گے۔۔۔اللہ تعالیٰ اس میں سے برکت اٹھالیں گے، اور وہ کام جو سو روپے میں ہوسکتا تھا وہ ایک سو دس روپے میں بھی نہیں ہوگا۔اور صدقہ دینے سے اللہ تعالیٰ اس میں ایسی برکت عطا فرماتے ہیں کہ جو کام سو روپے میں نہیں ہوسکتا تھا اللہ تعالیٰ بخیر وخوبی وہ کام90 روپے میں کروادیں گے۔سو اس طرح کی ہدایات اسی مقصد کے لیے ہیں کہ ان کی دنیا بھی کامیاب ہوجائے اور آخرت بھی کامیاب ہوجائے۔اس موضوع پر کئی نشستیں کی جاسکتی ہیں، اور میں مقدمہ کے طور پر، موجودہ دور میں معیشت کا موازنہ کرکے یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ اسلام کا کیا امتیاز ہے اور اس کی وجہ سے معیشت کو کس طریقے سے فروغ ملتا ہے اور کس طرح تجارت بڑھتی ہے اور کیسے وہ مسلمانوں کے لیے مفید ہے۔

معیشت وتجارت کے چار بنیادی مسائل

دنیا میں دو نظامِ معیشت رائج ہیں ۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism)اور دوسرا اشتراکی نظام (Socialism)اشتراکی نظام کی سیاسی طاقت اور قوت اگرچہ اب محدود ہوگئی ہے لیکن وہ نظریہ کے طور پر اب بھی باقی ہے۔اور سوویت یونین کے سقوط کے بعد جن ریاستوں میں امریکی اثرات پھیلے اور وہاں امریکی معیشت (سرمایہ دارانہ نظام) رائج ہوئی، اس کی خرابیاں پھیلنا شروع ہوئیں، تب ان ریاستوں نے پھر سوشلزم کی طرف دیکھنا شروع کردیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمیونسٹ پارٹیاں بڑی بھاری اکثریت سے ووٹ لے کر اقتدار میں آئیں ۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کی وجہ سے ہوا۔اب بھی کئی ممالک میں اشتراکی نظریہ پایا جاتا ہے۔اس پر باقاعدہ آپس میں جنگیں لڑی جاتی رہی ہیں، فکری سطح پر یہ نظام موضوع بحث بنے رہے، اس پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ نظام نظریہ کے طور پر بھی ختم ہوگیا ہے، نظریاتی طور پر تو باقی ہی ہے، کئی ممالک میں عملی طور پر بھی اب تک جاری ہے۔اور دوسرا سرمایہ دارانہ نظام ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو نظام معیشت بھی معیشت کے چار بنیادی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب رہے، وہی آئیڈیل اور قابل عمل کہلانے کا مستحق قرار پائے گا۔ان بنیادی مسائل میں سے ایک ہے ترجیحات کی تعیین (Determination of Priorities)اور دوسرا ہے وسائل کی تخصیص(Allocation of Resources)اور تیسرا مسئلہ ہے آمدن کی تقسیم(Distribution of Income)اور چوتھا مسئلہ ترقی (Developement) کا ہے۔ان چاروں مسائل

کوکوئی نظام کس طریقے سے حل کرتا ہے اوران مسائل کوحل کرنے کے لیےاس کا کیا فلسفہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ ہم جانچنے کی کوشش کریں گے۔

سرمایہ دارانہ نظام اس سلسلے میں یہ کہتا ہے کہ اس کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ ''فرد کوزیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے مکمل آزادی دی جائے۔'' اس کے بعد یہ فلسفہ ہے کہ ''بازار میں قدرتی طور پر دوقوتیں ہیں طلب ورسد۔وہ اس منافع کے حصول کی جدوجہد کواس طرح استعمال کریں گی کہ درج بالا سارے کے سارے مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔''

پہلا مسئلہ ''ترجیحات کا تعین''(Determination ofPriorities)اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ انسان کی بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم کچھ خواہشات ہیں اور ضروریات ہیں۔انسان کی خواہشات لامحدود ہیں اوران کو پورا کرنے کے لیے اس کے وسائل بہت کم ہیں۔اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم خود سے کچھ خواہشات وضروریات کومقدم کریں اور کچھ خواہشات اورضروریات کومؤخر کریں۔یہ ہے ترجیحات کا تعیّن۔مثال کے طور پر ایک آدمی کو کپڑوں کی بھی ضرورت ہے،اسے کھانے پینے کی بھی ضرورت ہے،اسے مکان کی بھی ضرورت ہے اسے شادی کی بھی ضرورت ہے۔سب ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے وسائل یکجا اس کے پاس موجود نہیں ہیں۔اب وہ کیا کرے گا؟ وہ ترجیح قائم کرے گا،اسے پہلے مکان بنانا ہے یا پہلے شادی کرنی ہے،پہلے روٹی کا انتظام کرنا ہے یا کپڑے بازار سے خریدنے ہیں ۔ترجیحات کا تعیّن کر کے وہ ایک ترتیب قائم کرے گا۔اسی طریقے سے ملکی سطح پر بھی یہی صورتحال ہوتی ہے۔ایک ملک کی ضرورت یہ بھی ہے کہ اس کی سڑکیں بہت اچھی ہوں،اس کی ضرورت یہ بھی ہے اس کے تعلیمی ادارے عمدہ تعمیر کیے ہوئے ہوں ،اس کی ضرورت یہ بھی ہے کہ اس کے ہسپتال خوبصورت اور آرام دہ بنے ہوئے ہوں۔اس کی ضرورت یہ بھی ہے کہ اس کا دفاع مضبوط اور مستحکم ہو۔وسائل ان تمام ضرورتوں کو اعلیٰ پیمانے پر پورا کرنے کے لیے مہیا نہیں ہیں تو اب ترجیح قائم کی جائے گی کہ کونسی ضرورت کو مقدم کیا جائے اور کون سی خواہشات کو مؤخر کیا جائے۔نواز شریف کے زمانے میں ایک ضرورت یہ محسوس کی گئی تھی کہ کراچی سے لے کر پشاور تک موٹروے بنایا جائے۔دوسری طرف یہ تھا کہ ایٹم بم کو ترقی دی جائے اوراس کا مظاہرہ کیا جائے۔اب دفاع کے اعتبار سے ترجیح اس کو دی گئی کہ ''ایٹم بم'' زیادہ اہم ہے کیونکہ ہندوستان نے اگر کوئی گڑ بڑ کی تو ہمارے لیے مصیبت آجائے گی،یہی ترتیب قائم کرنا ''ترجیحات کا تعین'' کہلاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ ''وسائل کی تخصیص'' ہے (Allocation of Resources)اس کی وضاحت یہ ہے کہ کچھ

ے متعیّن کیا جائے، کتنی زمین میں کپڑے کے کارخانے لگائے جائیں، کتنی زمین میں جوتے کے
ئیں۔۔۔۔۔یہ ہے وسائل کی تخصیص! اب اگر آٹے کی قلت ہے، قحط ہو رہا ہے اور لوگ بھوکے ہیں۔
ت ہے، لیکن وہ گندم کے بجائے افیون کاشت کرتا ہے، تمباکو اگاتا ہے تو لوگ اسے کہیں گے بڑا احمق ہے
ا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، زیادہ سے زیادہ زمین اس میں استعمال کرنی چاہیے "وسائل کی تخصیص"

" آمدن کی تقسیم"(Distribution of Income) ہے۔ ترجیحات کا تعین ہونے کے بعد،
جانے کے بعد، پیداوار کا عمل شروع ہوگیا۔ پیداوار کے نتیجے میں جو آمدن ہو رہی ہے "وسائل پیداوار"
ں طرح تقسیم کریں؟ (وسائل پیدارار کا ذکر آگے آرہا ہے) Distribution of incomeیا
سوال کے جواب کا نام ہے۔

"ترقی"(Developement) کا ہے۔ انسان کی فطری خواہش اور جذبہ ہے کہ وہ آگے بڑھنے کی
ں آگے بڑھنے کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آئے دن نئی نئی چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ پہلے انسان پیدل سفر
لدھے اور گھوڑے پر سفر کیا۔ آگے چل کر سائیکل ایجاد کرلیا۔ اور آگے چل کر موٹر سائیکل بنالی۔ پھر کار
ائی جہاز میں سفر کرتا ہے۔ یہ اسی ترقی اور آگے بڑھنے کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ اس کی طبیعت اللہ نے یہ
ھے۔ اب ہم کون کون سے اقدامات کریں؟ کس طریقے سے ہم تجارت کو فروغ دیں کہ ہماری معیشت
دگی میں بہتری آئے۔ "ترقی"(Development) سے یہی مراد ہے۔

رمایہ دارانہ اوراشتراکی نظام میں ان مسائل کا حل

ر نظام نے ان سارے مسائل کا ایک ہی حل یہ پیش کیا کہ انسان کو نفع کمانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے
ریادہ سے زیادہ نفع کماؤ۔۔۔جس طرح چاہے کماؤ! کیپٹلزم نے باور کرایا کہ جب فرد کو آزادی دے دی
ب بازار میں دو قدرتی قوتیں ہیں: رسد اور طلب (Supply and Demand)، یہ قوتیں انسان

کے نفع کمانے کی جدوجہد کو خود بخود اس طرح استعمال کریں گی کہ خود بخود یہ چاروں مسائل حل ہوتے چلے جائیں گے۔ جب آپ نے اسے یہ کہہ دیا کہ تم منافع کمانے میں آزاد ہو، تم پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ جائز و ناجائز کی کوئی قید ہے نہ ہی حلال وحرام کی کوئی تمیز ہے، بس نفع کماؤ جس طریقے سے کما سکو! اب وہ دیکھے گا کہ مارکیٹ میں کس چیز کی طلب کم ہو رہی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس چیز کی طلب کم ہو جاتی ہے اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور جس کی رسد کم ہوتی ہے اور طلب زیادہ، اس کی قیمت چڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر گرمیوں میں برف کی طلب بڑھ جاتی ہے اور اس کی قیمت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ جبکہ سردیوں کے موسم میں برف کا استعمال نہیں ہوتا اس لیے طلب کم ہو جانے کی وجہ سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔ آدمی دیکھے گا کہ مارکیٹ میں کس چیز کی ڈیمانڈ زیادہ ہے اور سپلائی کم ہو رہی ہے، جس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے یہ شخص لامحالہ وہی چیز مارکیٹ میں لائے گا۔ وہ سوچے گا، اس وقت اگر میں مثال کے طور پر کپڑا بازار میں لاؤں گا تو مجھے بہت اچھا منافع ملے گا، چنانچہ وہ کپڑے کا کارخانہ لگائے گا۔ اگر اس نے محسوس کیا کہ جوتے کی طلب بڑھ رہی ہے اور رسد کم ہے جس کی بناء پر جوتوں کی قیمتیں چڑھ رہی ہیں تو وہ جوتوں کا کارخانہ قائم کرنے کو ترجیح دے گا۔ ''رسد وطلب'' ایسی دو چیزیں ہیں جو خود ترجیحات کی تعیین کر رہی ہیں، اسی سے وسائل کی تخصیص بھی ہو رہی ہے کہ اتنی زمین ہم نے کپڑے کے کارخانے کے لیے استعمال کرنی ہے۔ اتنی جوتوں کے لیے مختص کرنی ہے، اتنے حصے میں گندم کاشت کرنی ہے۔

تیسرا مسئلہ'' آمدنی کی تقسیم'' یوں حل ہوگا کہ عوامل پیداوار کو دیکھا جائے گا اور اس چیز کے وجود میں آنے تک جتنے عوامل نے اپنا کردار ادا کیا، ان سب عوامل کو آمدن میں سے حصہ دیا جائے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے نزدیک عوامل پیداوار چار ہیں: ایک زمین(Land)، دوسرا سرمایہ(Capital)، تیسرا محنت (Labour) اور چوتھی چیز آجر اور تنظیم ہے، یعنی وہ مہم جو ان سارے وسائل کو جمع کرے اور ان کو کام میں لا کر پیداوار کا عمل شروع کرے۔ اس نے زمین کرائے پر حاصل کی، سرمایہ اکٹھا کیا، لیبر رکھ لیے، ساتھ وہی یہ رسک بھی لے رہا ہے کہ نہ جانے مجھے نفع ہوگا یہ نقصان، اسے مہم جو (آجر یا تنظیم) کہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کہتا ہے: چونکہ وسائل پیداوار چار ہیں اور ان سب نے حصہ لیا ہے، لہٰذا سب کو ان کا حصہ دیا جائے۔ اسی بناء پر انہوں نے کہا، زمین کا حصہ یہ ہے کہ اسے کرایہ ادا کیا جائے۔ یعنی جس نے زمین فراہم کی ہے وہ اس بات کی حقدار ہے کہ کرایہ وصول کرے، ''سرمائے'' کا حق ہے کہ اس کا سود ادا کیا جائے۔ تیسرے وسیلہ پیداوار نے مزدوری کی ہے، وہ اپنی محنت اور پسینہ بہانے پر اجرت کا مستحق ہے۔ جب ان تین وسائل پیداوار کو ان کا اپنا اپنا حصہ دے دیا گیا تو اب جو باقی بچے گا یہ آجر اور تنظیم کا حصہ ہے۔

اب یہ سوال کہ کتنا حصہ زمین کو دیا جائے گا؟ سرمائے کا حصہ کتنا ہوگا؟ سود کتنا دیا جائے گا؟ لیبر کی اجرت کتنی ہوگی؟

آجر اور تنظیم کو کیا ملے گا؟ سرمایہ دارانہ نظام کہتا ہے کہ اس کا فیصلہ بھی رسد و طلب کی قوتیں کریں گی۔ اس طرح کہ زمین بے کار پڑی ہوئی ہے، کوئی لینے والا نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''سپلائی'' زیادہ ہے اور ''ڈیمانڈ'' کم ہے، لہٰذا بہت کم اجرت پر اچھی خاصی زمین مل جائے گی، اس کا حصہ کم ہوگا، لیکن اگر زمین تھوڑی ہے اور کرائے پر طلب کرنے والے بہت لوگ ہیں تو ایسی صورت میں کرایہ بہت چڑھ جائے گا۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میرے پاس یہ ہزار روپے ہیں، ہزار روپے سے میں فلاں گودام کرائے پر لوں گا، جب مارکیٹ میں نکلا، معلومات کی تو پتہ چلا کہ اس گودام کا کرایہ بہت زیادہ ہے، کوئی چار ہزار دینے کو تیار ہے، کوئی پانچ ہزار دینے کے لیے تیار ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اسے ایک ہزار میں گودام کرائے پر نہیں ملے گا۔ یعنی ''طلب'' زیادہ ہے اور ''رسد'' کم ہے۔ ایسی صورت میں اسے مجبوراً وہ گودام پانچ ہزار میں کرائے پر لینا پڑے گا۔ یہ پانچ ہزار روپے ''نکتہ توازن'' ہے۔ اسی طرح کوئی زمین والا کہے یا گودام والا کہے کہ میں اپنا گودام یا زمین دس ہزار سے کم کرائے پر نہیں دوں گا۔ اب وہ جو مارکیٹ میں نکلا، معلوم ہوا دس ہزار روپے میں تو کوئی بھی لینے کے لیے تیار نہیں۔ کوئی تین ہزار لگا رہا ہے کوئی چار ہزار لگا رہا ہے، تو کوئی پانچ۔ اس سے آگے کوئی بڑھ ہی نہیں رہا، ایسی حالت میں وہ پانچ ہزار پر راضی ہونے پر مجبور ہوگا، یہ پانچ ہزار ''نکتہ توازن'' ہے جہاں رسد اور طلب میں ایک تناسب قائم ہو جاتا ہے اور رسد اور طلب برابر برابر ہو جاتی ہے۔ باقی چیزیں اسی پر قیاس کی جاسکتی ہیں۔ زمین مزدور اور سرمایہ کو حصّہ دینے کے بعد آخر میں جو کچھ بچے گا وہ ''آجر یا تنظیم'' کا ہے۔ اور یہ بھی بالواسطہ طور پر رسد و طلب ہی سے متعلق ہے، اس طریقہ کار کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام مذکورہ بالا چار مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ کرنے کے لیے ''اشتراکیت'' سامنے آئی۔ اس نے کہا کہ جناب آپ نے جو حل پیش کیا ہے، وہ تو عجیب و غریب ہے۔ آپ نے تو ''رسد و طلب'' کو اندھی قوتوں کے حوالے کر دیا۔ اشتراکی نظام نے سرمایہ دارانہ نظام پر بنیادی طور پر تین قسم کی تنقیدیں کی ہیں:

پہلی تنقید تو یہ کہ آپ نے کہا جب رسد و طلب برابر ہو جائیں گی، نکتہ توازن قائم ہو جائے گا تو بس تاجر وہ چیز مارکیٹ میں لانا چھوڑ دے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے کیسے پتہ چلے گا کہ ''سپلائی'' اب ''ڈیمانڈ'' کے برابر ہو گئی ہے؟ لہٰذا یہ چیز مجھے اب مزید مارکیٹ میں نہیں لانی چاہیے۔ کوئی خودکار میٹر اس کے پاس نہیں ہے۔ کیا کوئی فرشتہ غیب سے اسے آ کر اطلاع دے گا کہ جناب رسد، طلب کے برابر ہو گئی ہے، اب اور نہ بناؤ۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس لاعلمی میں آدمی مثلاً کپڑے تیار کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کپڑے کے انبار لگ جاتے ہیں۔ لوگوں کی طلب کم ہو جاتی ہے، اس کی کہیں کھپت نہیں ہو سکتی۔ قیمت بہت گر جاتی ہے، جو کچھ لاگت ہوئی تھی وہ بھی نہیں مل پاتی۔ جب ایسی صورت

حال پیش آتی ہے تو کارخانے بند ہونا شروع ہوجاتے ہیں، کساد بازاری آجاتی ہے۔ ہزاروں لوگوں کو بیروزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عام طور پر افراط زر کو معاشرے کے لیے تباہ کن سمجھا جاتا ہے، جبکہ کساد بازاری اس سے بھی مہلک ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں مہنگائی بہت بڑھ جاتی ہے۔ بیروزگاری عام ہوجاتی ہے۔ آپ نے یہ کیا فلسفہ بیان کیا ہے کہ رسد وطلب کے حوالے کردو، اس کا تو نتیجہ یہ نکلتا ہے۔

دوسری تنقید یہ کی کہ آپ نے انسان کو بھی بھیڑ بکری کی طرح رسد وطلب کے حوالے کردیا۔ آپ نے کہا مزدور اگر بہت زیادہ ہیں اور طلب کم ہے تو ایسی صورت میں ان کی اجرت کم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مزدور ہے، بے روزگاری کی وجہ سے 50 روپے پر آمادہ ہوگیا، آپ کے بقول چونکہ اس کی یہ اجرت رسد وطلب نے مقرر کی ہے، لہٰذا یہ بالکل انصاف پر مبنی ہے، حالانکہ آپ کو یہ سوچنا چاہیے کہ 50 روپے یومیہ لینے والا اپنا پیٹ کیسے پالے گا؟ وہ بیوی بچوں کا پیٹ کیسے پالے گا؟ بچوں کی تعلیم کے اخراجات کہاں سے لائے گا؟ وہ رہائش کے لیے مکان کہاں سے بنائے گا؟ آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ آپ نے کہا جو رسد وطلب نے اس کی اجرت مقرر کردی، بس یہی اس کی اجرت ہے۔ ہم نے اس کا حق ادا کردیا ۔۔۔۔۔ حالانکہ آپ اس پر ظلم کر رہے ہیں۔

تیسری تنقید اشتراکی نظام والوں نے سرمایہ دارانہ نظام پر یہ کی کہ وسائل پیداوار یا عوامل پیداوار چار ہیں۔ یہ سرمایہ کہاں سے آگیا؟ یہ آجر اور تنظیم کہاں سے آگئی۔ ان دونوں کا وسائل پیداوار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بنیادی طور پر دو ہی وسائل پیداوار ہیں: ایک زمین ہے، دوسرا لیبر (محنت) ہے۔ ان میں سے صرف ایک ہی مستحق اجرت ہے یعنی لیبر۔ زمین پر لیبر محنت کرتا ہے اس سے پیداوار ہوتی ہے۔ زمین کا حق ادا کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ عطیہ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا تو ان کے لیے زمین بھی مشترک طور پر پیدا کردی تھی۔ کوئی کسی زمین کا مالک نہیں! محنت مزدور نے کی، اس سے پیداوار ہوئی، گندم اگی، چاول وغیرہ تیار ہوئے اور لوگوں کی ضرورت پوری ہوئی۔ لہٰذا وسائل پیداوار بنیادی طور پر دو ہی ہیں۔ زمین کا عطیہ قدرت کی وجہ سے کوئی حصہ نہیں۔ صرف لیبر کی اجرت مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا پورا حق ادا کیا جائے۔ اس کو آپ نے رسد وطلب کی قوتوں کے حوالے کرکے اس کے ساتھ ظلم کیا۔

اب سوال پیدا ہوا کہ سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ اگر غلط اور ناانصافی پر مبنی ہے تو پھر صحیح بات کیا ہے؟ اشتراکی نظام نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ جتنے بھی وسائل پیداوار ہیں ،زمین ہے، کارخانے ہیں، املاک ہیں۔۔۔۔ یہ تمام چیزیں نمائندہ حکومت کی تحویل میں دے دی جائیں۔ انفرادی ملکیت بالکل ختم کردی جائے۔ اب حکومت ''منصوبہ بندی'' کے ذریعے ترجیحات کا

تعین کرے گی، وسائل کی تخصیص کرے گی، اسی کے ذریعے آمدن کی تقسیم بھی کی جائے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام والے علاقوں میں جو بازار ہوتے ہیں، بازاروں میں پبلیسٹی ہوتی ہے، ایڈورٹائزنگ ہوتی ہے بڑے بڑے سائن بورڈ لگائے جاتے ہیں یا دیگر ذرائع سے تشہیر کی جاتی ہے۔۔۔۔ یہ چیز اشتراکی ممالک میں نظر نہیں آتی چونکہ وہاں ذاتی ملکیت کسی کی ہے ہی نہیں، اس لیے ذاتی منافع سے کسی کو کوئی دلچسپی ہی نہیں، ساری املاک حکومت کی ہیں، حتیٰ کہ جو دکان کھول کے بیٹھا ہے وہ حکومت کا نمائندہ ہے، اسے آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینی ہے، اس کی مقررہ اجرت اسے ہر حال میں ملے گی، خواہ تشہیر کرے نہ کرے، گاہک کو مطمئن کرے نہ کرے۔ اسے اگر کوئی وقت کے آخری لمحات میں آکر یہ کہہ دے کہ بھئی آپ تھوڑا انتظار کر لیں، مجھے آپ سے لاکھوں کی خریداری کرنی ہے، میں ذرا یہ کرنسی چینج کرا کے آتا ہوں، وہ پانچ منٹ بھی انتظار نہیں کرے گا، کیونکہ اس میں اس کے ذاتی منافع کا محرک کارفرما نہیں ہے۔ اسے قطعی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ وہ تشہیر کرے گا نہ ہی اس کے فوائد دوسروں کو بتانے کی تگ و دو کرے گا۔۔۔ یہ اشتراکی نظام ہے!

اس اشتراکی نظام نے جو "منصوبہ بند" معیشت پیش کی ہے، یہ استبدادی طریقہ ہے، جبر پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں اتنی گزارش کافی ہوگی کہ جب ذاتی نفع کا محرک کارفرما نہ ہو اور اس کی افتادِ طبع کا اس میں کوئی دخل نہ ہو تو ایسی صورت میں پسند ناپسند کے معیارات ماند پڑ جائیں گے۔ اور منصوبہ بندی نام ہی اس چیز کا ہے کہ اس میں سراسر جبر سے کام لینا پڑے گا۔ یہ نظام فطرت کے خلاف ہے۔ مثلاً شادی بیاہ کا مسئلہ ہے، اس میں لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، معلومات کرتے ہیں، پسند کر لیتے ہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ آپس میں ناچاقی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا یہ کام بھی حکومت اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کرے گی، حکومت دیکھے گی کہ ہمارے ملک میں اتنے مرد ہیں، اتنی عورتیں ہیں، ایک منصوبہ کے ساتھ ان کی آپس میں نسبتیں طے کی جائیں گی۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ یہ بات چلنے والی نہیں ہے۔ دوسرے مسائل کی طرح معیشت بھی محض منصوبہ بندی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ جب تک ذاتی منافع کا محرک نہیں ہوگا، مزدور دلچسپی سے کام نہیں کرے گا۔ ایک شخص کو آپ نے اس کی افتادِ طبع کے برعکس روئی کے کارخانے میں کام پر لگا دیا، اس کا وہاں کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تو یہ کام اب بغیر جبر و استبداد کے نہیں ہوسکتا۔ جب آپ اسے جبر و استبداد سے وہاں روکیں گے تو وہ دلچسپی سے کام نہیں کرے گا، کیونکہ اپنا نفع مدنظر ہوتا ہے تو دلچسپی برقرار رہتی ہے ورنہ نہیں!!

یوں یہ نظام بھی ناکام ہوا۔ تقریباً 74 سال تک اسے برتنے کے بعد خود اس کے بانی اس سے تائب ہوئے۔ اس طرح یہ نظام اپنی موت آپ مر گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام میں جو بنیادی طور پر "رسد و طلب" کی قوتوں کو کارفرما قرار دیا جاتا ہے، یہ اپنی روح کے اعتبار سے

اسلام کے منافی نہیں ہے۔قرآن کریم سے اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا"

یعنی ہم نے معیشت کے درمیان تقسیم کی ہے دنیا کی زندگی میں، اور ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت درجات عطا فرمائی ہے، تاکہ یہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔اس میں اس کام کی طرف اشارہ ہے کہ طلب ورسد کی قوتیں کارفرما ہیں اور لوگ اس طریقے سے ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔اسی طرح نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"لَايَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ"** یعنی شہری آدمی، دیہاتی آدمی کے لیے بیع نہ کرے"۔دیہات سے جو قافلے غلّہ لے کر آتے ہیں، کچھ شہری لوگ شہر سے باہر ہی ان سے مل کر ان کو کہتے ہیں کہ تم کو کیا پتہ مارکیٹ کا؟ تم کہیں لٹ جاؤ گے، تم ہمیں یہیں بیچ دو۔لوگ اس طرح دیہاتیوں سے سستے داموں خرید لیتے تھے، پھر مارکیٹ میں لاکر خوب نفع کماتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔اس طرح ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ"

"کہ تم (حکمران طبقہ) لوگوں کے بیچ میں مداخلت نہ کرو، ان کو کھلا چھوڑ و اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق دیتے ہیں"۔ اس طرف اشارہ ہے کہ رسد وطلب کی قوتیں کارفرما ہیں۔معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر یہ فلسفہ غلط نہیں ہے۔خرابی کہاں سے پیدا ہوئی؟ خرابی یہاں سے پیدا ہوئی کہ مکمل طور پر نفع کمانے کی آزادی دے دی گئی، جائز وناجائز کی کوئی حدود مقرر نہیں کی گئیں، حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ہے، جیسے چاہے تم نفع کماؤ! چنانچہ اس کے نتیجے میں بے انتہا اخلاقی بے راہ روی پیدا ہوئی۔ اسی طرح معاشی ناہمواری پیدا ہوئی۔امریکہ سے ایک رسالہ برہنہ تصویروں کا شائع ہوتا ہے۔اس کے تقریباً 20 ملین نسخے ہر مہینے فروخت ہوتے ہیں۔ ننگی فلمیں، ننگی تصویریں۔اس کھلی چھوٹ کی وجہ سے عصمت فروشی کا بازار گرم ہوا۔اس کی تنظیمیں بنیں، تحریکیں چلیں۔پھر باقاعدہ قانون پاس ہوئے کہ عصمت فروشی کی قانوناً اجازت ہے۔لائسنس جاری ہوئے۔کچھ عرصہ پہلے لاس اینجلس میں عصمت فروش خواتین کا ایک اجلاس ہوا، اس کانفرنس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ جن ممالک نے ابھی تک لائسنس جاری نہیں کیے، وہ بھی لائسنس جاری کریں۔اس طرح ماڈل گرلز امریکا کی خدمات کے سلسلے میں سب سے زیادہ کمانے والا طبقہ ہے۔ایک ماڈل گرل بیسیوں ملین روزانہ کے کماتی ہیں۔اس کی فیس لاکھوں ڈالر میں ہوتی ہے۔صرف فیس ہی نہیں، دوسرے ممالک میں جہاز میں آنے جانے کا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ، فائیو اسٹار ہوٹلوں میں رہائش کے اخراجات ۔۔۔۔اس کے علاوہ جس کمپنی کے لیے وہ ماڈلنگ کررہی ہے، وہ کمپنی جو مصنوعات بنائے گی، معاہدہ ہوتا ہے کہ جتنی مقدار

میں مصنوعات بنیں اس کا اتنے فیصد اگر یہ لڑکی مطالبہ کرے گی تو اسے دینا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری عیاشیاں اور اخراجات لاگت میں شمار کیے جاتے ہیں، پھر اس کا خمیازہ عام صارفین کو بھگتنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کی جیب میں جاتی ہے۔ غریب پستا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح سود، قمار اور سٹہ بازی ہوتی ہے، جیسے اسٹاک ایکسچینج میں ہو رہی ہے۔ طرح طرح کی قمار بازی ہو رہی ہے۔ اس کی نئی نئی شکلیں سامنے آ رہی ہیں۔

اسلام کا امتیاز

اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے حرام اور حلال کی تمیز قائم کی۔ تجارت و معیشت کے حوالے سے دو طرح کی پابندیاں عائد کیں: کچھ خدائی پابندیاں ہیں، جیسے سود، قمار اور سٹہ بازی کی ممانعت۔ خاص صورتوں میں بیع کو باطل یا فاسد قرار دینا۔ اس جیسی جائز و ناجائز کی حدود قائم کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں ہی کے نفع کے لیے یہ حدود متعیّن کیں۔ دوسری قسم کی پابندیاں، حکومتی پابندیاں ہیں، کہ بعض اوقات لوگ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کی پروا نہیں کرتے یا کبھی غیر معمولی حالات پیدا ہو جاتے ہیں، حادثات یا سانحات پیش آتے ہیں، ایسی صورت میں معیشت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔ ان حالات میں وقتی مصلحت کے تحت کسی فی نفسہ جائز چیز پر بھی پابندی لگانا پڑتی ہے۔ حکومت کی جانب سے اسے ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بازار میں قیمتیں بہت چڑھ گئیں، لوگوں نے اجارہ داریاں قائم کر لیں۔ اجارہ داری کا مطلب یہ کہ کوئی چیز صرف ایک ہی تاجر کے پاس مل رہی ہے، کسی دوسرے کے پاس دستیاب نہیں ہے۔ اس طرح کی اجارہ داریوں کی صورت میں لوگوں کی مشکلات بڑھ جاتی ہیں۔ چنانچہ چینی اگر دس تاجر فروخت کر رہے ہوں، ایک مہنگی دے گا تو آدمی دوسرے کے پاس چلا جائے گا۔ مگر کسی شخص نے اجارہ داری قائم کر رکھی ہوگی تو وہ منہ مانگے دام وصول کرنے کی کوشش کرے گا، یوں لوگ مشکل کا شکار ہوں گے۔

لاس اینجلس میں ایک مہنگا ترین بازار ہے۔ اس میں چیزیں کس قدر مہنگی ہیں، اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنا چشم دید واقعہ ذکر فرمایا ہے،، فرمایا ہم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس بازار میں گئے، ہم نے موزوں کے ایک جوڑے کی قیمت پوچھی تو ہمیں بتایا گیا کہ 200 ڈالر یعنی سولہ سے سترہ ہزار روپے کے درمیان صرف جرابوں کا ایک جوڑا۔ سوٹ کوئی دس ہزار ڈالر کا ہے۔ کوئی پندرہ ہزار ڈالر کا ہے۔ اور اس بازار کے نچلے طبقے میں آپ جا سکتے ہیں ،گھوم پھر سکتے ہیں، قیمت معلوم کر سکتے ہیں، اوپر کی منزل میں آپ مالک کے بغیر نہیں جا سکتے۔ مالک کس مقصد کے لیے ساتھ جائے گا؟ تاکہ وہ آپ کو مشورہ دے سکے۔ آپ کے قد و قامت اور رنگ و روپ کے مطابق یہ جوڑا مناسب ہے۔ اور اس مشورے کی وہ دس ہزار ڈالر فیس لیتا ہے۔ چھ، چھ ماہ اور سال، سال پہلے اپائنٹمنٹ لینا پڑتا ہے۔ شہزادہ چارلس جب امریکہ جانے لگا۔ اس نے اپائنٹمنٹ لینے کے لیے وہاں رابطہ کیا، تو اسے ایک مہینے بعد کا وقت ملا۔ دوسری جانب یہی لاس اینجلس سے تھوڑے ہی فاصلے پر غریب کا یہ عالم

ہے کہ ریڑھیوں پر پیپسی اور سیون اپ کے خالی ڈبے لیے جارہے ہیں۔فرمایا: میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ بچارے غریب اور بے روزگار لوگ ہیں۔ یہ کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں سے ڈبے جمع کر کے کسی کباڑیے کے ہاں فروخت کرتے ہیں، اس سے ان کا گزارا ہوتا ہے۔ رات کو یہ ریڑھی کسی سڑک کے کنارے پر کھڑی کر لیتے ہیں اور وہیں سو جاتے ہیں۔ سردی کے موسم میں زیر زمین ریلوے اسٹیشنوں پر ٹھہر کر گزارا کرتے ہیں۔ایک طرف تو وہ عیاشی اور مال کا اتنا ضیاع ہے، دوسری طرف اس قدر غربت کہ سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے۔یہی حال فرانس کا ہے۔ ہزاروں لوگ ایسے ہیں، جو سر چھپانے کی جگہ سے محروم ہیں۔ یہ ناہمواری اور یہ عدم توازن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ان پابندیوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آتا ہے۔حکومتی پابندیوں کی پاسداری شرعی حدود میں رہتے ہوئے لازم ہے " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ."

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو بازار میں دیکھا کہ بیٹھا کوئی چیز فروخت کر رہا ہے اور عام بازاری قیمت سے بہت سستی فروخت کر رہا ہے۔حضرت عمرؓ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا: "اِمَّا اَنْ تَزِيْدَ وَاِمَّا اَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوْقِنَا ." یا تو تم اپنا ریٹ بڑھاؤ یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ۔ حدیث میں اس کی تصریح تو نہیں ہے کہ آپ نے یہ کیوں فرمایا، ہوسکتا ہے اس لیے فرمایا ہو کہ وہ کوئی چیز بہت سستی بیچ کر خواہ مخواہ دوسرے تاجروں کے جائز منافع کے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ بہت زیادہ سستی چیز دیکھ کر بہت زیادہ مقدار میں خرید رہے ہوں جس سے اسراف کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے اس لیے فرمایا کہ اس سے ذخیرہ اندوزی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ بہر حال جو بھی ہو، "اولوالامر" کے وہ قوانین جو جائز حدود میں ہوں، ان کی پاسداری بھی لازم ہے۔اب دنیا کے جتنے بھی ممالک ہیں۔ان میں بالکل آزادی کہیں بھی نہیں ہے۔حکومت کی طرف سے کچھ پابندیاں ہیں۔اسے "مکسڈ اکانومی" (Mixed Economic) کہا جاتا ہے۔ بالکل کھلی چھوٹ دینے والے بھی کچھ نہ کچھ پابندیاں لگانے پر مجبور ہوئے ہیں۔لیکن چونکہ وہ اپنے ذہن سے گھڑی ہوئی پابندیاں ہیں، اس لیے ان کا وہ اثر نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگائی ہوئی پابندیوں کا ہے۔اس لیے ان پابندیوں کے باوجود اپنی معیشت کے سلسلے میں انتہائی درجے کے بحران کا شکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے لیے ہماری تجارت کے پروان چڑھنے، ہماری معیشت کے مستحکم ہونے کے لیے سب سے اولین ضرورت یہ ہے کہ ہم معیشت و تجارت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی پابندی کریں۔اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب اللعامین !!

م شائع ہونے والی چیدہ چیدہ مطبوعات







